جماعتِ احمدیہ برطانیہ کی تیرھویں سالانہ امن کانفرنس میں امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی بابرکت شمولیت

اس کے بعد امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ڈائس پر تشریف لائے اوراس موقع پر اپنے صدارتی خطاب کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اوراس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ فرمایا۔

حضورِ انور نے حاضرین کو السلام علیکم کا تحفہ پیش فرمایا اورتہہ دِل سے تمام معزز مہمانوں کی تشریف آوری کا شکریہ ادا فرمایا۔حضور نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں آپ کا یہاں آکر اس کانفرنس میں شمولیت اختیار کرنا خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کیونکہ آجکل مختلف دہشت گرد گروہ اسلام کے نام پر انتہائی تکلیف دہ کام کر کے اسلام کے خوبصورت نام کو بدنام کررہے ہیں۔حضورِ انور نے نومبر 2015ء میں ہونے والے حملہ پیرس اور دیگر ممالک میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کا ذکر کر کے فرمایا کہ برطانیہ میں پولیس کے اسسٹنٹ کمشنر نے ایک حالیہ بیان میں متنبہ کیا ہے کہ داعش یہاں برطانیہ میں بھی خوفناک حملے کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی تھی جس میں اہم مراکز اور پبلک مقامات کونشانہ بنانے کی سازش تھی۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ گزشتہ سال کے دوران یورپ میں اچانک بڑی تعداد میں مہاجرین کی آمد ہوئی ہے جس سے یہاں کے بہت سے باشندے خوف و ہراس، تذبذب اور سراسیمگی کے جذبات محسوس کر رہے ہیں۔ایسے حالات میں آپ لوگوں کا جو مسلمان نہیں مسلمانوں کی طرف سے منعقد کی جانے والی اس تقریب میں شامل ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ جرأتمند، روادار اور کھلا دل رکھنے والے لوگ ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اسلام کی سچی تعلیمات سے کسی کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگ اسلام کو ایک شدّت پسند مذہب سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اسلام خودکش حملوں کی یا دہشت گردی کی اجازت دیتا ہے۔لیکن درحقیقت اِس میں کوئی سچائی نہیں۔حال ہی میں ایک نامور کالم نگار نے ایک اخبار میں اسلاموفوبیا (اسلام سے خوف) کے بڑھتے ہوئے رجحان پر ایک آرٹیکل لکھا ہے۔اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ خود کش حملوں پر ایک بہت لمبی تحقیق کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ پہلا خودکش حملہ 1980ء کی دہائی میں ہوا۔جبکہ اسلام کو آئے ہوئے تیرہ سو برس گزر چکے تھے۔انہوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلام میں اگر خودکش حملے جائز ہوتے تو یہ حرکات تیرہ سو سال پہلے ہی شروع ہوجاتیں اور اسلامی تاریخ میں ہمیں ضرور ایسے واقعات نظر آتے رہتے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ ان کی یہ دلیل بہت معقول ہے اور بہت مناسب انداز میں اسے پیش کیا گیا ہے۔اوراس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خودکش حملے اس زمانہ میں ایجاد کی جانے والی ایک برائی ہے اور اِن کا اسلام کی حقیقی اور پُر امن تعلیم سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔اسلام ہر قسم کی خودکشی سے واضح طور پر منع کرتا ہے۔اس لئے کسی بھی خودکش حملے یا دہشت گردی کی اجازت نہیں دے سکتا۔اِس قسم کے حملوں کے نتیجہ میں بلا تفریق معصوم عورتوں، بچوں اور نہتے عوام کو ظالمانہ طریق پر موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ حال ہی میں رائس یونیورسٹی ہیوسٹن ٹیکساس (Rice University Houston Texas) کے پروفیسر ڈاکٹر کونسڈائن (Dr. Craig Considine) نے اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نام نہاد اسلامک اسٹیٹ (داعش) کی طرف سے عیسائیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا جواز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وتحریرات سے کسی صورت حاصل نہیں کیا جاسکتا۔اس میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ کا تصور پیش کیا تھا اس کی بنیاد تمام مذاہب کے مابین رواداری اور شہریوں کے حقوق کے تحفظ پر رکھی گئی تھی۔چنانچہ یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ یہ شدت پسندوں کی کارروائیاں اسلامی اصول کے سراسر خلاف ہیں۔اسلام نے اگر کبھی جنگ کی اجازت بھی دی ہے تو اپنے دفاع کے لئے دی ہے، ایسی صورت میں جبکہ آپ پر جنگ مسلط کی جارہی ہو۔مثلاً قرآنِ کریم کی سورت الحج کی آیت 40 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جن سے (بلاوجہ) جنگ کی جارہی ہے ان کو بھی (جنگ کرنے کی) اجازت دی جاتی ہے۔ اور اسی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مذہب کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا جو مظلوم ہوں گے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ ابتدائے اسلام میں جو جنگیں لڑی گئیں وہ خالص مذہبی جنگیں تھیں جو کہ مذہب کی آزادی کو قائم کرنے کے لئے لڑی گئیں۔ چنانچہ تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نیت سے لڑی جانے والی جنگوں میں جہاں دشمن مکمل طور پر مسلح اور مسلمانوں سے تعداد میں کئی گنا زیادہ تعداد میں ہوتا تھا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تعداد میں کم ہونے اور پوری طرح مسلح نہ ہونے کے باوجود فتح سے نوازتا رہا۔

حضور انور نے فرمایا کہ بطور ایک مسلمان کے اگرمَیں آج کے دَور میں لڑی جانے والی مسلمانوں کی جنگوں کا تجزیہ کروں تومَیں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جنگیں مذہبی جنگیں نہیں۔اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر جنگیں یا تو ممالک کے اندرونی ہنگاموں کی وجہ سے ہوئیں یا ہمسایہ مسلمان ممالک سے لڑی گئیں۔اور جو جنگیں غیر مسلم ممالک سے بھی ہوئیں ان کو مذہبی جنگیں قرار نہیں دیا گیا۔ اور دونوں فریقوں میں مسلمان فوجی لڑتے رہے۔یہ بات واضح رہے کہ آج کے دور کی جنگیں اسلامی یا مذہبی جنگیں نہیں ہیں بلکہ یہ جنگیں معاشی یا سیاسی فوائد حاصل کرنے کی نیت سے لڑی جارہی ہیں۔اور اسلام کی بدنامی کا باعث بن رہی ہیں۔

حضور انور نے فرمایا کہ جو کچھ ابھی تک میں نے کہا ہے اس سے آپ پر یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ سچے اور حقیقی اسلام سے کسی قسم کا خوف کھانے کی ضرورت نہیں ،اسلام شدّت پسندی، خودکش حملوں اور بے دریغ قتلِ عام کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔اسلاموفوبیا کا کوئی جواز نہیں بنتا کیونکہ اسلام کی حقیقی تعلیمات امن کے قیام، برداشت اور ایک دوسرے کی عزت کرنے کی ترغیب دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسلامی تعلیمات انسانی اقدار کو قائم کرتی ہیں اور تمام انسانوں کی عزت، وقار، اورآزادی کی علمبردار ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ ان تمام باتوں کے باوجود ہم سب یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض شدّت پسند اور ظالم لوگ اسی خوبصورت اسلام کے نام پر نہایت ظالمانہ کارروائیاں بھی کر رہے ہیں۔ بہرصورت جو آیت میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے اس بات کو اچھی طرح واضح کردیتی ہے کہ خواہ کیسے ہی حالات درپیش ہوں اسلام ایسی حرکتوں کی کسی صورت اجازت نہیں دیتا۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ ایک اور چیز جو مجھے مسلمان ہونے کے ناطے جنگوں کی طرف راغب ہونے کی بجائے تمام انسانوں سے محبت کرنے پر مجبور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے بالکل شروع میں، دوسری ہی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو 'ربُّ العالمین' فرماتا ہے۔ اور تیسری آیت میں فرماتا ہے کہ وہ 'بے حد کرم کرنے والا، بار بار رحم کرنے والا' ہے۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو تمام انسانوں کا ربّ فرماتا ہے اور بے حد کرم کرنے والا، بار بار رحم کرنے والا فرماتا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ان لوگوں کو جو اس پر ایمان لے آئے ہیں کہے کہ وہ اس کی مخلوق کو ظالمانہ طور پر قتل کریں اور ان کو کسی بھی طرح کی تکالیف میں ڈالیں؟ لازماً اس سوال کا جواب یہی ہوگا کہ ایسا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ اِس کے برعکس یہ بات بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم، غیر انسانی حرکات اور ناانصافی کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کو ظالم کے ہاتھ کو روکو تا کہ معاشرہ میں دیرپا امن کا قیام ممکن ہوسکے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ مذہب کے علاوہ دیگر دائروں میں بھی بعض قواعد وضوابط ہوتے ہیں، اور ان کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی ہے۔اگر اصلاح بغیر سزا دیے ممکن ہو یا معمولی سزا دینے سے ہوسکتی ہو تو یہ سب سے بہتر ہے۔لیکن اگر اصلاح کے لئے سخت سزا دینا ضروری ہوجائے تو معاشرے کی بہتری اور دوسروں کی عبرت کے لئے وہ سزا دی جاتی ہے۔اب اس بات کو مذہبی تناظر میں دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اسلامی تعلیمات میں جرم کی سزا بدلہ لینے کے لئے یا محض تکلیف پہنچانے کے لئے نہیں دی جاتی۔ بلکہ اس کا مقصد ظلم کو ختم کرنا اور مثبت انداز میں لوگوں کی اصلاح کرنا ہے۔قرآن کریم کے مطابق اگر کسی فردِ واحد یا گروہ کی اصلاح معاف کرنے یا رحم سے کام لینے سے ہوسکتی ہو تو یہی طریق اختیار کرنا چاہیے۔لیکن اگر عفوو درگذر سے اصلاح کا مقصد حاصل نہ ہوسکتا ہو تو پھر معاشرے کی اصلاح اور بہتری کے لئے سزا نافذ ہونی چاہیے۔اس لئے اسلام میں سزا کا تصوّر ایک منفرد اور دُور اندیش تصور کا حامل ہے کیونکہ اس کا مقصد معاشرہ کی بہتری کے لئے لوگوں کی تربیت کرنا ہے، اور اعلیٰ انسانی اقدار کو معاشرہ میں رائج کرنا ہے تاکہ لوگ اپنے خالق کی صفات کو اپنے اندر پیدا کر کے ایک دوسرے کا خیال کرنے لگ جائیں۔اس لئے اسلام میں کسی فردِ واحد یا کسی گروہ کے حقوق غصب ہونے پر غاصب کو اس کے جرم کے مطابق سزا دینے کا حکم ہے۔لیکن دوسری جانب اگر سزا کے بغیر معاشرہ میں اصلاح ہوسکتی ہو تو اس طریق کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ النّور کی آیت 23 میں فرماتا ہے کہ 'اور چاہیے کہ کہ وہ عفو سے کام لیں اور درگذر کریں'۔اسی طرح سورۃ آل عمران کی آیت 135 میں فرماتا ہے کہ 'غصّہ کو دبانے والوں اور لوگوں کو معاف کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے'۔اس کے علاوہ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر یہ حکم موجود ہے کہ انسان کو جہاں تک ممکن ہو عفوو درگذر سے کام لینا چاہیے کیونکہ حقیقی مقصد اخلاق میں بہتری اور اصلاح ہے، نہ کہ بدلہ لینا۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ ممالک یا گروہوں کے باہم اختلافات کے تصفیہ اور پھر انصاف کے دیرپا قیام کے لئے اللہ تعالیٰ سورۃ الحجرات آیت 10 میں ایک سنہری اصول بیان فرماتا ہے کہ 'اگر دو ممالک یا گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ایک غیر جانبدار گروہ ان کے مابین معاملہ کو پرامن طور پر حل کرواتے ہوئے صلح کروائے۔اگر ان کے مابین معاہدہ ہوجائے تو سب کے ساتھ برابری کی سطح پر سلوک کیا

جائے۔لیکن ان میں سے کوئی گروہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرے اور دوسرے پر چڑھائی کر دے تو دیگر تمام گروہ یا ممالک مل کر ظالم کو روکنے کے لئے اس کے خلاف طاقت کا استعمال کرتے ہوئے چڑھائی کر دیں۔لیکن اگر وہ زیادتی کرنے والا گروہ اپنی زیادتی اور ظلم سے باز آ جائے تو انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان دونوں گروہوں کے درمیان صلح کروا دو اور اس زیادتی کرنے والے کو بطور ایک آزاد حکومت یا قوم کے ترقی کرنے کی پوری طرح اجازت دو۔ان تمام اصولوں کو دیکھ کر ہم پر یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ تمام انسانوں کا رب، اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم سب لوگ امن کے ساتھ، انصاف کو قائم کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر، اکٹھے رہیں۔

حضورِانور نے فرمایا کہ جہاں تک مذہبی تعلیمات کا تعلق ہے، اسلامی عقائد مذہبی آزادی اور آزادیٔ ضمیر کے علمبردار ہیں۔ اسلام میں ہر فرد کو نہ صرف اپنی مرضی کا مذہب اختیار کرنے کی اجازت ہے بلکہ اس مذہب کی تبلیغ کرنے کی بھی کھلی اجازت ہے۔'مذہب' اور 'ایمان' تو دل کا معاملہ ہے۔ اس لئے مذہب کے اختیار میں کوئی زبردستی نہیں۔جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایک کامل مذہب بنایا ہے کسی کو اختیار نہیں کہ وہ اس میں لوگوں کو زبردستی شامل کرے۔ ہر شخص چاہے وہ مذہبی رجحان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اسے اسلام قبول کرنے کی آزادی ہے۔لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ اس کا اسلام قبول کرنا اس کی اپنی مرضی سے ہو اور وہ یہ فیصلہ بغیر کسی دباؤ کے کرے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی مسلمان اسلام کو چھوڑنا چاہے تو قرآنی تعلیمات کے مطابق ایسے آدمی یا عورت کو اسلام کو چھوڑنے کا بھی حق حاصل ہے۔جبکہ ہمیں یقین ہے کہ اسلام ایک عالمی مذہب ہے اور اس کی تعلیمات کامل ہیں کوئی بھی شخص اگر اسے چھوڑنا چاہتا ہے تو یہ اس کی مرضی ہے اور اسے یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔سورۃ المائدہ کی آیت 55 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اس دین سے پھرنا چاہے تو اسے جانے دو۔اللہ تعالیٰ اس کی جگہ مزید بہتر اور زیادہ مخلص لوگوں کو تم میں شامل کر دے گا۔چنانچہ کسی حکومت، گروہ یا فردِ واحد کو حق نہیں کہ وہ اسے کسی قسم کی کوئی سزا دیں یا اس پر کوئی پابندی عائد کریں۔چنانچہ یہ بات کہ اسلام میں مرتد ہونے کی سزا ہے ایک غلط اور بے بنیاد الزام ہے۔اسلامی تعلیمات کا محور اور مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا رب ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اسلام کے نام پر تشدد اور ظالمانہ کارروائیاں کررہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو رب العالمین نہیں مانتے۔یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن انہیں اس کا ادراک ہی نہیں اور اسی وجہ سے وہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔

حضورِانور نے فرمایا کہ ہم احمدی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ایسی ہی غلطیوں کو درست کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے امام الزمان حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو مبعوث فرمایا تھا۔انہوں نے ہمیں بتایا کہ مذہبی جنگوں کا زمانہ اب گزر چکا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان امن و آشتی کے ساتھ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہوئے مل جل کر زندگی گزاریں۔اس بارہ میں اپنی جماعت کو نصیحت فرماتے ہوئے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی رو سے دین کے دو حصے ہیں یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہب کی بنیاد دو ستونوں پر قائم ہے۔ پہلا یہ کہ خدائے واحد کو پورے یقین کے ساتھ پہچانیں اور پورے خلوص سے اس سے محبت کریں اور محبت اور اطاعت کے تمام تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی فرمانبرداری اختیار کریں۔ دوسرا یہ کہ اس کی مخلوق کی خدمت کریں اور اپنی تمام صلاحیتوں اور استعدادوں کو دوسروں کی خدمت میں لگائیں۔اور جو آپ سے نیکی کرتا ہے اس کے عوض میں آپ بھی اس کے شکرگزار ہوتے ہوئے اس سے نیک سلوک کریں خواہ وہ بادشاہ ہوں یا حکمران یا عام لوگ۔اور ان سے ہمیشہ محبت کا تعلق استوار کریں۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ النحل کی آیت 91 جس کا ترجمہ یہ ہے "اللہ یقیناً عدل کا اور احسان کا اور (غیر رشتہ داروں کو بھی) قرابت والے (شخص) کی طرح (جاننے اور اسی طرح مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔" اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدا تم سے یہ چاہتا ہے کہ تم تمام بنی نوع انسان سے عدل کے ساتھ پیش آیا کرو۔اس سے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن سے بھی نیکی کریں جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ آیت ایک مسلمان سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ مخلوقِ خدا سے ایسی ہمدردی کے ساتھ پیش آئے کہ گویا وہ اس کے حقیقی رشتہ دار ہیں۔جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں۔" یہاں حضور علیہ السلام یہ فرما رہے ہیں کہ ہر مسلمان دوسرے انسانوں سے ان کے رنگ ونسل، ذات پات اور مذہب کی پروا کیے بغیر ایسے محبت کرے جیسا کہ ایک ماں اپنے بچوں سے محبت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ محبت کی خالص اور اعلیٰ ترین قسم ہے کیونکہ دوسرے درجہ میں جہاں انسان سے کسی سے احسان کا سلوک کرتا ہے وہاں اس بات کا امکان ہے کہ احسان کرنے والا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دے اور بدلے میں احسان کا طلبگار بھی ہو۔تاہم ماں کی محبت بے غرض ہوتی ہے اور اس کا اپنے بچے سے محبت کا رشتہ ایسا منفرد ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ رہتی ہے۔اسے کسی بدلہ کی طلب نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے کسی تعریف کی کوئی خواہش ہوتی ہے۔ اس لئے یہ وہ انتہائی معیار ہے جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے جس کی رُو سے مسلمانوں کو تمام نوع انسانی سے ایسے محبت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے جیسے ایک ماں بچے سے محبت کرتی ہے۔ یہی اسلام کی حقیقی تعلیمات ہیں۔

حضورِانور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ وہ جو اس پر ایمان لاتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اس کی صفات کو اپنائیں،لہٰذا ایک سچے مسلمان کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ ظلم کرے۔ اور اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ اسلام کسی قسم کی ناانصافی، تشدد اور انتہاپسندی کی اجازت دے۔

حضورِانور نے فرمایا: گزشتہ کئی سالوں سے میں بارہا اسلام کی بنیادی تعلیمات کے ان نکات کو بیان کر چکا ہوں۔

حضورِانور نے فرمایا کہ میں نے متعدد مرتبہ قرآن کریم کے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اسلام کی مستند تعلیمات ہیں۔تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے امن کے پیغام کو میڈیا میں وسیع پیمانہ پر کوریج نہیں دی جاتی۔جبکہ اس مقابل پر ان معدودے چند لوگوں کو جو ہر قسم کے ظلم وستم اور قتل وغارت میں ملوّث ہیں انہیں عالمی میڈیا میں مسلسل کوریج دی جاتی ہے اور بہت توجہ دی جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میڈیا لوگوں کی عمومی رائے قائم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔اس لیے میڈیا کو اپنی اس طاقت کا استعمال ذمہ داری کے ساتھ بھلائی او رامن کے قیام کے لئے کرنا چاہئے۔انہیں چاہئے کہ وہ اسلام کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے رکھیں۔بجائے اس کے کہ میڈیا ایک اقلیت کے ظالمانہ اعمال پر اپنی توجہ مرکو زرکھے۔دہشت گرد اور انتہاپسند گروپس کی ایسی حرکتوں کی تشہیر ان کے لئے آکسیجن کا کام دیتی ہے۔اس لئے مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جیسا کہ میں نے کہا ہے اگر میڈیا اس بات کی طرف توجہ کرے تو ہم دیکھیں گے کہ بہت جلد ہی ظلم و بربریت اور دہشتگردی جو دنیا پر مسلّط ہے ختم ہونا شروع ہوجائے گی۔

حضورِانور نے فرمایا کہ میں ذاتی طور پر اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ انتہاء پسند لوگ جنہوں نے اسلام اور اس کی اعلیٰ تعلیمات سے روگردانی کی ہے وہ اپنی ان قابلِ نفرت حرکات کا جواز اسلام سے کس طرح حاصل کرسکتے ہیں۔اسلام کی پرامن تعلیمات تو ہر قسم کی انتہا پسندی سے اس حد تک روکتی ہیں کہ جائز جنگ کے دوران

قابلِ نفرت حرکات کا جواز اسلام سے کس طرح حاصل کرسکتے ہیں۔ اسلام کی پرامن تعلیمات تو ہر قسم کی انتہا پسندی سے اس حد تک روکتی ہیں کہ جائز جنگ کے دوران

بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ سزا جرم کے مطابق دی جائے۔اور یہ کہ بہتر یہ ہے کہ صبر سے کام لیا جائے اور معافی کا اظہار کیا جائے۔پس وہ تمام نام نہاد مسلمان جو تشدد، ناانصافی اور بربریت میں ملوّث ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کو دعوت دے رہے ہیں۔

حضورِانور نے فرمایا کہ اس دور میں جبکہ اسلام کا خوف لوگوں کے دلوں میں مسلسل بڑھ رہا ہے میں اس بات کو بڑے زور کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم نے بار بار محبت، شفقت اور رأفت پر زور دیا ہے۔اگر بعض انتہائی ناگزیر حالات میں قرآن کریم نے دفاعی جنگ کی اجازت بھی دی ہے تو وہ محض امن کے قیام کی خاطر تھی۔

حضورِانور نے فرمایا کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر حکومتیں اور گروپس خواہ وہ مسلمان ہیں یا غیرمسلم جو جنگ میں ملوث ہیں وہ بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ امن کے قیام کی خاطر جنگ کررہے ہیں۔عمومی تاثر یہی ہے کہ اکثر لوگ بڑی طاقتوں کی طرف سے جو جنگیں کی جارہی ہیں ان سے صرفِ نظر کرتے ہیں یا کم از کم ان کے افعال کو کسی مذہب یا عقیدے کے ساتھ نہیں جوڑتے۔تاہم چونکہ ہم ایک ایسے ماحول میں رہ رہے ہیں جس میں اسلامی تعلیمات کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر قسم کے ظلم و ستم اور جنگیں جن میں مسلمان ملوّث ہوں ان کو فوراً اسلامی تعلیمات سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ جبکہ ان لوگوں اور جماعتوں کی آوازیں جو اسلام کی سچی اور امن پسند تعلیمات کو پھیلانے کی جدوجہد کررہی ہیں ان کی آواز کو یا تو سنا ہی نہیں جاتا اور پھر نہ ہی ان کی کوئی وسیع پیمانے پر مناسب تشہیر کی جاتی ہے۔

حضورِانور نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ بات نہایت غیرمنصفانہ اور منفی نتائج کی حامل ہے۔اس قسم کے عالمی بحران کے موقع پر ہمیں یہ بنیادی اصول یاد رکھنا چاہیے کہ ہر قسم کی بدی اور ظلم کو دبایا جائے اور ہر قسم کی نیکی اور انسانیت کو پھیلایا جائے۔اس طرح بدی زیادہ دور تک نہیں پھیل سکے گی جبکہ نیکی اور امن دور دور تک پھیلے گا اور ہمارے معاشرہ کو خوبصورت بنادے گا۔اگر ہم اس اچھائی کو جو دنیا میں ہے مزید بڑھائیں تو اس طرح ہم ان لوگوں پر غالب آسکتے ہیں جو امن اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کو مسخ کرنا چاہتے ہیں۔مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا اس اصول کو قبول کرنے اور سمجھنے سے قاصر ہے اور یہی وجہ ہے کہ میڈیا امنِ عالم کے قیام پر اپنے اخبارات کی سرکولیشن میں اضافے اور

اپنے ناظرین کی تعداد میں اضافہ کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ میڈیا جو بڑھ چڑھ کر اقلیت کے ظلم وستم کی تشہیر کرتا ہے وہ دراصل داعش جیسے برے گروپس کی پراپیگنڈا مہم کو مدد دینے کا باعث بن رہا ہے جبکہ اس کا فرض یہ بنتا ہے کہ وہ دنیا میں موجود اچھائیوں کو نمایاں کرے اور وہ اپنے اس کام میں ناکام ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

حضور نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی ناانصافی ہے جو مزید تقسیم اور جھگڑے کے بیج بو رہی ہے۔ عالمی سیاست میں دہشت گردی کو شکست دینے کے لئے ضروری ہے کہ امن کا قیام ہمارا انتہائی مقصد ہو۔ اور اس کے لئے سب لوگوں کا اتفاق ضروری ہے۔ اگر آپ ایک مسلمان کی بات پر اعتماد نہیں کرتے تو میں آپ کے سامنے بعض ممتاز غیر مسلموں کے بیانات پیش کرتا ہوں جو سیاسیات کے ماہر ہیں اور دنیا میں امن کے خواہاں ہیں۔ مثال کے طور پر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انتہا پسندی کو اور خاص طور پر داعش جیسے دہشت گرد گروپس کو کس طرح شکست دی جائے تو آسٹریا کے وزیرِ خارجہ نے حال ہی میں یہ کہا ہے کہ ہمیں دانشمندانہ حکمتِ عملی کی ضرورت ہے جس میں اسلامک اسٹیٹ (ISIS) سے جنگ کرنے کے لئے شام کے صدر اسد کو بھی اپنے ساتھ ملایا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ترجیح دہشتگردی کے خلاف جنگ ہے اور یہ بڑی طاقتوں مثلاً رشیا اور ایران کے تعاون کے بغیر ناممکن ہے۔

اسی طرح پروفیسر جان گرے (John Gray) جو ایک ریٹائرڈ سیاسی فلسفہ دان ہیں جنہوں نے کئی سال تک لندن اسکول آف اکنامکس میں پڑھایا ہے انہوں نے حال ہی میں ''موجودہ سیاسی نظام پر امن کی ترجیح'' کی اہمیت کے بارے میں لکھا کہ 'حکومتی نظام خواہ جمہوری ہو، آمرانہ ہو، بادشاہت کا ہو یا رپبلیکن، یہ سب امن کے قیام کے مقابلہ میں کم اہمیت رکھتے ہیں۔'

حضورِ انور نے فرمایا کہ میری رائے میں یہ ایک بہت ہی بصیرت افروز تبصرہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود بڑی طاقتوں نے ان ممالک میں جو اس سے قبل نسبتاً مستحکم تھیں، حکومت (regime) کی تبدیلی کو زیادہ اہمیت دی۔ مثلاً مغرب اس بات پر تلا ہوا تھا کہ عراق سے صدام کو ہٹایا جائے۔ چنانچہ اس تیرہ سالہ جنگ کے نہایت تکلیف دہ نتائج آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ایک اور نمایاں مثال لیبیا کی ہے جہاں صدر قذافی کو 2011ء میں زبردستی ہٹایا گیا اور اس وقت سے لیبیا مسلسل لاقانونیت اور تباہی میں دھنستا چلا جارہا ہے۔ لیبیا میں اس سیاسی خلا کا براہِ راست نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب داعش نے وہاں دہشت گردی کی مضبوط بنیاد اور جال پھیلا دیا ہے جو مسلسل مضبوط ہوتا چلا جارہا ہے۔ اب صورتحال بہت خطرناک ہوچکی ہے۔ اور یہ خطرہ اس علاقہ کے لئے ہی نہیں بلکہ یورپ کے لئے بھی ہے جس کے بارہ میں مَیں نے چند سال پہلے متنبہ کردیا تھا۔ اس لئے ایسے ممالک میں ترجیح حکومت (regime) کو تبدیل کرنے پر نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ عوام الناس کو ان کے بنیادی حقوق ملیں اور دیرپا امن کا قیام ہو۔

شام (Syria) کی طرف واپس لوٹتے ہوئے مَیں آسٹریا کے وزیر خارجہ کی اس بات سے بالکل متفق ہوں کہ اوّلین مقصد امن کا قیام ہونا چاہیے۔ اس لئے بڑی طاقتوں کو شام کی حکومت کے ساتھ رابطہ کے ذرائع کھلے رکھنے چاہئیں اور دوسرے ہمسایہ ممالک کی مدد بھی حاصل کرنی چاہیے جن کا اس علاقہ پر اثرورسوخ ہے۔

حضورِ انور نے فرمایا یاد رکھیں کہ مثبت تبدیلی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب وسیع تر مفاد کی خاطر ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھا جائے اور ہمہ وقت انصاف کے ساتھ کام کیا جائے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ انصاف وہ بنیاد ہے جس پر امن کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ سو ہمیں وقت کی فوری ضرورت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ کئی سالوں سے مَیں متنبہ کررہا ہوں کہ دنیا ایک اَور عالمی جنگ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اور اب دوسرے لوگ بھی اسی نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب بعض اہم لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ تیسری عالمی جنگ شروع ہوچکی ہے۔ تاہم میں پھر بھی یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے پاس اس جنگ کو روکنے کے لئے ابھی کچھ وقت ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم عدل و انصاف سے کام لیں اور اپنے دیگر ہر قسم کے مفادات کو ایک طرف رکھ دیں۔ قبل ازیں بہت سے مواقع پر میں نے انتہا پسند گروپوں کی فنڈنگ اور ان کی سپلائی لائن کو کاٹنے کے متعلق بات کی ہے۔ تاہم ابھی بھی یہ کہا نہیں جاسکتا کہ اس پہلو سے تمام تر کوششیں کی جاچکی ہیں۔ مثلاً ایک حالیہ خصوصی تحقیقاتی رپورٹ میں جو وال سٹریٹ جرنل (Wall Street Journal) میں کہا گیا ہے کہ داعش عراق کے سنٹرل بنک کے زیرِ انتظام نیلامی سے بہت بڑی تعداد میں امریکن ڈالر حاصل کررہا ہے۔ یہی ڈالر عراق کو امریکہ کے فیڈرل ریزرو سے براہِ راست مہیا کیے گئے تھے۔ اس مضمون میں بیان کیا گیا ہے کہ امریکن حکومت اس صورتحال سے کم ازکم جون 2015ء میں پوری طرح باخبر تھی۔ حضور انور نے فرمایا کہ ذاتی طور پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کو اس تجارت کے بارہ میں بہت پہلے سے علم تھا۔

حضور انور نے فرمایا کہ علاوہ ازیں تیل کی فروخت کے بارے میں یہ بات سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ مختلف گروپس یہاں تک کہ حکومتیں بھی داعش سے تیل خرید رہی ہیں۔ یہ تجارت کیوں روکی نہیں گئی؟ کیوں ایسی ڈیلز (deals) پر جامع قسم کی پابندیاں عائد نہیں کی گئیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ جب تیل کے حصول کا معاملہ ہو تو اخلاقیات کو نظر انداز کردیا جاتا ہے! یہ وہ نکتہ ہے جو کنگز کالج لندن کے پروفیسر لیف ویز (Leif Wenar) نے اپنے ایک حالیہ مقالہ میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دنیا تیل حاصل کرنے کی خاطر ہر قسم کے ظلم و زیادتی کو برداشت کرنے پر آمادہ ہے۔ چنانچہ ملکوں نے داعش سے بھی تیل خریدا اور سوڈان سے بھی جہاں پر بہت سے انسانی حقوق کا استحصال کیا گیا ہے۔ یہ بات تجارتی مارکیٹ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے جس کے مطابق تشدّد کے نتیجہ میں ملکیتی حقوق قائم نہیں کیے جاسکتے۔

حضور انور نے فرمایا کہ علاوہ ازیں حال ہی میں ڈائریکٹر عراق انرجی انسٹیٹیوٹ نے اپنے ایک مقالہ میں بیان کیا ہے کہ داعش والے کس طرح تیل فروخت کررہے تھے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ تیل ٹینکرز کے ذریعہ انبار صوبہ سے اردن بھیجا جاتا ہے اور کردستان کے ذریعہ ایران اور موصل کے ذریعہ ترکی اور شام کی مقامی مارکیٹ میں بھی فروخت ہوتا ہے۔ اور اسی طرح عراق کے کردستان ریجن میں بھی جہاں پر اس کا بہت سا حصہ مقامی طور پر ریفائن (refine) کیا جاتا ہے۔ عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ ان ملکوں کی حکومتی انتظامیہ اس تمام سلسلہ سے بے خبر ہو گی۔ اس لئے جب یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ختم کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جاری ہے، تو حقائق اس دعویٰ کو درست ثابت نہیں کرتے۔ ان سب باتوں کے پیشِ نظر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں حقیقی انصاف ہے۔ یہ کس طرح دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ دیانت اور امانت کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

حضور انور نے فرمایا کہ اسی طرح حال ہی میں عالمی سطح پر اسلحہ کے پھیلاؤ کے بارہ میں بھی متعدد رپورٹس میڈیا میں آئی ہیں۔ سرکاری اور معتبر رپورٹس کے مطابق گزشتہ سال کے دوران امریکہ نے 46.6 ارب ڈالرز کا اسلحہ مارکیٹ میں فروخت کیا۔ جو گزشتہ سال کے مقابل پر 12 ارب ڈالرز زیادہ تھا۔ اور ان رپورٹس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ اسلحہ زیادہ تر ان ممالک کو فروخت ہوا جو مڈل ایسٹ میں ہیں۔ اور اس طرح وہ شام، عراق اور یمن میں جنگ کو مزید ہوا دے رہے تھے۔

حضور انور نے فرمایا کہ میں پھر یہ کہتا ہوں کہ اگر ایسی تجارت ہورہی ہے تو دنیا میں امن اور انصاف کا قیام ہونا کس طرح ممکن ہے؟ یہ جو میں نے چند مثالیں دی ہیں ان کی رسائی ہر ایک تک ہے۔ اور یہ ممتاز تجزیہ نگاروں اور تبصرہ نگاروں کے خیالات پر مشتمل ہیں۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ جب تک معاشرہ کی ہر سطح پر اور قوموں کے درمیان بھی انصاف کے اصولوں کا اطلاق نہیں کیا جاتا ہم دنیا میں حقیقی امن نہیں دیکھ سکتے۔ انصاف کے بغیر داعش اور اس قسم کے دوسرے انتہا پسند گروپس کو شکست دینے کے لئے دسیوں سال درکار ہوں گے۔ تاہم اگر دنیا اس پیغام پر توجہ دے اور انصاف کے اوپر قائم ہو جائے اور دہشتگردی کی فنڈنگ اور سپلائی کو روکنے کے لئے حقیقی معنوں میں کوشش کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک ریٹائرڈ امریکی جنرل کے اس بیان کے برعکس جس میں اس نے یہ کہا تھا کہ داعش کے خلاف جنگ دس سے بیس سال تک جاری رہے گی، مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ دہشتگردی کا نیٹ ورک بہت جلد تباہ کیا جاسکتا ہے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ آخر پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک دنیا اپنے خالق کو نہیں پہچانتی اور اسے تمام جہانوں کا رب تسلیم نہیں کرتی حقیقی انصاف غالب نہیں آسکتا۔ نہ صرف یہ کہ حقیقی انصاف غالب نہیں آئے گا بلکہ دنیا ایک نہایت ہی خوفناک اور تباہ کن نیوکلیئر جنگ کا سامنا کرے گی جس کے نتائج ہماری مستقبل کی نسلوں کو دیکھنے پڑیں گے۔

حضورِ انور نے فرمایا کہ میری دعا ہے کہ دنیا اس حقیقت کو سمجھ جائے۔ مَیں دعا کرتا ہوں کہ ہم سب انسانیت کے حقیقی مقاصد کو حاصل کرنے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں اور میں دعا کرتا ہوں کہ حقیقی امن جو انصاف پر مبنی ہو دنیا کے تمام حصوں میں قائم ہوجائے۔ ان الفاظ کے ساتھ مَیں ایک دفعہ پھر آپ سب مہمانوں کا شکر گزار ہوں جو آج کی اس شام میں ہمارے ساتھ شامل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنی برکات نازل فرمائے۔ بہت بہت شکریہ۔

اس خطاب کے بعد حضورِ انور نے اجتماعی دعا کروائی۔